ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1972

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ قرآن وتفسیر)

کورس: قصص القرآن (1972)

سطح: بی۔ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں قرآنی قصوں کا بیان مستند تفسیری مفاہیم کی روشنی میں اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے؛ جہاں کسی نکتے میں اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں، وہاں اختلاف کو علمی امانت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ کسی دینی حکم کے کسی فرد یا واقعے پر اطلاق کا فیصلہ اہلِ علم اور باقاعدہ دائرہ اختیار کا کام ہے، یہ گائیڈ صرف تعلیمی و مطالعاتی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

سوال نمبر 1: قرآن مجید میں مذکور ماضی کے قصے (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ قرآن مجید میں مذکور ماضی کے قصوں پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔ (20)

تعارف

قرآن مجید کا ایک بڑا اور نہایت اہم حصہ قصوں پر مشتمل ہے۔ "قصص" عربی لفظ "قصّ" سے ہے جس کے اصل معنی قدم بہ قدم پیچھے چلنا، نشانات کی پیروی کرنا اور کسی واقعے کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ بیان کرنا ہیں۔ اسی مناسبت سے قرآن کے ان واقعاتی بیانات کو قصص کہا جاتا ہے جن میں گزشتہ انبیاء، ان کی قوموں، پرانے بادشاہوں، صالح و فاسد افراد اور ہلاک شدہ امتوں کے حالات عبرت و ہدایت کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ قرآن خود اپنے قصوں کو محض کہانیاں نہیں کہتا بلکہ انہیں "حق" قرار دیتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا گیا کہ یہ سچا بیان ہے، اور سورۃ الکہف میں اصحابِ کہف کے بارے میں ارشاد ہے کہ ہم آپ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی قصے انسانی تصنیفات اور لوک کہانیوں سے بالکل مختلف ہیں؛ یہ وحی پر مبنی سچے واقعات ہیں جن کا مقصد تفریح نہیں بلکہ ہدایت، عبرت اور دل کی استقامت ہے۔ اس سوال میں ماضی کے قصوں سے مراد، ان کی اقسام، قرآن میں ان کے بیان کا انداز، ان کے مقاصد و حکمتیں اور اہم مثالوں پر تفصیلی روشنی ڈالی جاتی ہے۔

ماضی کے قصوں سے مراد

اہلِ علم نے قرآنی قصوں کو زمانے کے اعتبار سے عموماً تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے: ماضی کے قصے، حال کے واقعات اور مستقبل کی خبریں۔ ماضی کے قصے وہ ہیں جو نزولِ قرآن سے پہلے گزر چکے واقعات پر مشتمل ہیں، مثلاً حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات، قومِ عاد و ثمود کی ہلاکت اور فرعون کا غرق ہونا۔ حال کے واقعات سے مراد عہدِ نبوی کے وہ واقعات ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہوا، مثلاً بعض غزوات اور معاصر واقعات کی طرف اشارے۔ مستقبل کی خبروں میں موت، برزخ، قیامت، حشر، جنت اور دوزخ کے مناظر شامل ہیں۔ اس تقسیم میں پہلی قسم یعنی ماضی کے قصے مقدار کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہیں اور اسی کورس کے ابتدائی یونٹس کا اصل موضوع بھی یہی ہیں۔ ماضی کے قصوں کی اہمیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ وحی کی صداقت کی دلیل ہیں: نبی کریم ﷺ اُمّی تھے، آپ نے اہلِ کتاب کی مجالس میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی، اس کے باوجود گزشتہ امتوں کے واقعات اس صحت اور تفصیل سے بیان کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کلام اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے، جیسا کہ سورۃ یوسف کے آغاز میں ان واقعات کو "غیب کی خبروں" میں سے قرار دیا گیا ہے جو آپ کی طرف وحی کی جا رہی تھیں۔

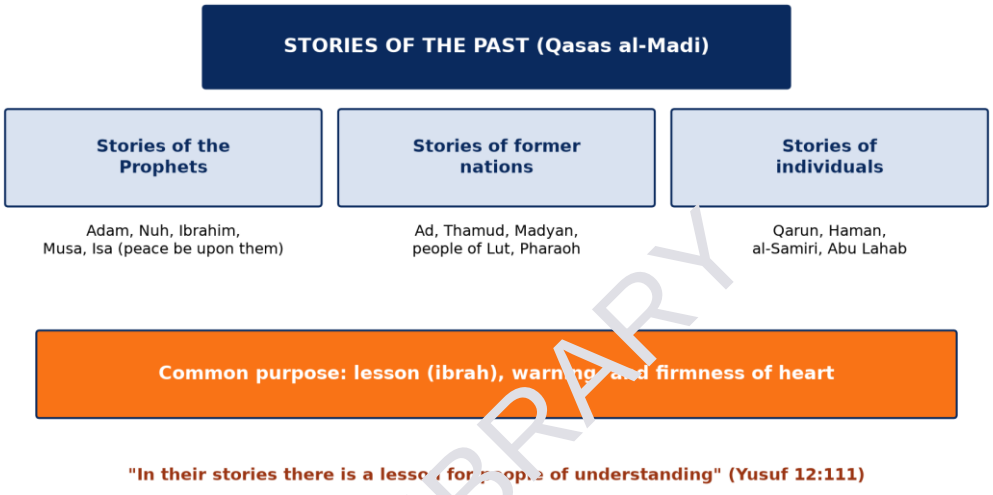

Figure 1: Main groups of the stories of the past in the Holy Quran

شکل 1: قرآن مجید میں ماضی کے قصوں کی بڑی قسمیں اور ان کا مشترکہ مقصد

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

ماضی کے قصوں کی اقسام

موضوع کے اعتبار سے ماضی کے قصوں کو تین بڑی جماعتوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلی جماعت انبیاء ورسل کے قصے ہیں جن میں ان کی پیدائش، بعثت، دعوت، قوم کے رویے، آزمائشوں اور انجام کا ذکر آتا ہے؛ ان میں حضرت آدم، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، داؤد، سلیمان، الیاس، یونس، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام نمایاں ہیں۔ دوسری جماعت گزشتہ قوموں اور امتوں کے قصے ہیں، مثلاً قومِ نوح، عاد، ثمود، قومِ لوط، اصحابِ مدین، اصحابِ الاخدود، اصحابِ الفیل اور بنی اسرائیل کے مختلف ادوار۔ ان قصوں میں اجتماعی رویوں، اجتماعی عروج وزوال اور اللہ کے اجتماعی قوانین کو سمجھایا گیا ہے۔ تیسری جماعت انفرادی شخصیات کے قصے ہیں جو نبی نہیں تھے؛ ان میں بعض صالح کردار ہیں جیسے لقمان، اصحابِ کہف، حضرت مریم اور حضرت آسیہ، اور بعض مذموم کردار ہیں جیسے فرعون، قارون، ہامان اور سامری، جن کی تفصیل اگلے سوال میں آئے گی۔ یہ تقسیم طالب علم کو یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ قرآن میں قصہ کسی ایک پیٹرن کا نام نہیں بلکہ ہر قصہ اپنے مخاطب اور اپنے سبق کے ساتھ آتا ہے۔

قرآن میں بیانِ قصص کا انداز

قرآنی قصوں کا انداز عام تاریخ نویسی سے مختلف ہے۔ قرآن نہ تو سنین و تواریخ کی پوری فہرست دیتا ہے، نہ ہر واقعے کے تمام جزئیات بیان کرتا ہے، بلکہ واقعے کا وہ حصہ منتخب کرتا ہے جو ہدایت و عبرت کے مقصد سے براہِ راست متعلق ہو۔ اسی لیے ایک ہی قصہ مختلف سورتوں میں مختلف پہلوؤں کے ساتھ آتا ہے؛ کہیں اس کا دعوتی پہلو اجاگر ہوتا ہے، کہیں صبر کا، کہیں قوم کے انجام کا۔ مثال کے طور پر قصۂ موسیٰ قرآن کی متعدد سورتوں میں آیا ہے مگر ہر جگہ سیاق کے مطابق نیا نکتہ سامنے آتا ہے۔ دوسری خصوصیت اختصار و اجمال اور تفصیل کا توازن ہے: قصۂ یوسف پوری ایک سورت میں مسلسل و مکمل سے بیان ہوا جسے خود قرآن نے "احسن القصص" کہا، جبکہ بعض قصے چند آیات میں سمیٹ دیے گئے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن کرداروں کے نام، مقامات اور غیر ضروری تفصیلات کی بجائے اخلاقی و اعتقادی نکتے پر توجہ رکھتا ہے؛ اسی لیے بعض جگہ نام لیے بغیر "ایک شخص" یا "ایک قوم" کہہ کر واقعہ بیان کر دیا جاتا ہے۔ چوتھی خصوصیت تکرارِ بامقصد ہے، یعنی ایک ہی واقعے کی تکرار بے مقصد نہیں بلکہ ہر تکرار میں نئی رہنمائی پوشیدہ ہوتی ہے۔

ماضی کے قصے بیان کرنے کے مقاصد و حکمتیں

قرآن نے خود اپنے قصوں کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ سورۃ ہود کی آخری آیات میں انبیاء کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ ہم رسل کی خبروں میں سے وہ سب کچھ آپ سے بیان کرتے ہیں جس سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں، اور اس میں آپ کے پاس حق بھی آ گیا اور اہلِ ایمان کے لیے نصیحت اور یاد دہانی بھی۔ اس ایک آیت سے تین بڑے مقاصد نکلتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے قلب کی تثبیت و تسلی، حق کی وضاحت، اور مؤمنین کے لیے نصیحت۔ سورۃ یوسف کی آخری آیت میں قصوں کو "عقل مندوں کے لیے عبرت" قرار دیا گیا اور واضح کر دیا گیا کہ یہ گھڑی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ اس کے علاوہ قصوں کا ایک مقصد کفار کو انذار ہے کہ گزشتہ قوموں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا تو ان کا انجام کیا ہوا؛ سورۃ ابراہیم اور سورۃ الحج میں اس انداز کی تنبیہ بار بار آتی ہے۔ ایک اور مقصد سنتِ الٰہی کی وضاحت ہے، یعنی اللہ کے وہ اٹل قوانین سمجھانا کہ ظلم، تکبر اور تکذیب ہمیشہ تباہی لاتی ہے اور ایمان، صبر اور استقامت ہمیشہ

نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ نیز ان قصوں سے وحدتِ دین کا اصول ثابت ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی: ایک اللہ کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

جدول 1: ماضی کے چند نمایاں قصے، اہم سورتیں اور بنیادی سبق

قصہ	اہم سورتیں	بنیادی سبق
حضرت آدم علیہ السلام	البقرہ، الاعراف، طٰہٰ	انسانی خلافت، شیطانی وسوسہ اور توبہ کی قبولیت
حضرت نوح علیہ السلام	ہود، نوح، المؤمنون	طویل صبر و استقامت اور تکذیب کا انجام
قومِ عاد و ثمود	الاعراف، ہود، الشعراء	قوت و تمدن پر غرور اور اللہ کی پکڑ
حضرت ابراہیم علیہ السلام	الانعام، الانبیاء، مریم	توحید کی عقلی دعوت اور شرک سے بیزاری
حضرت یوسف علیہ السلام	یوسف	عفت، صبر، تدبیر اور عفو و درگزر
حضرت موسیٰ و فرعون	الاعراف، طٰہٰ، القصص، الشعراء	ظلم و استکبار کا انجام اور مظلوم کی نجات
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	آل عمران، مریم، المائدہ	اللہ کی قدرت، بندگی اور معجزات باذنِ الٰہی

ماضی کے قصوں کی صداقت اور اسرائیلیات سے احتیاط

ماضی کے قصوں کے مطالعے میں ایک اہم علمی احتیاط یہ ہے کہ قرآن کے بیان کو بنیاد رکھا جائے اور اسرائیلی روایات یعنی اہلِ کتاب کی کتب و روایات سے منقول جزئیات کو بغیر پرکھے قبول نہ کیا جائے۔ مفسرین نے اس باب میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جو روایت قرآن و سنت کے موافق ہو وہ قابلِ قبول ہے، جو خلاف ہو وہ رد کر دی جاتی ہے، اور جس کے بارے میں قرآن و سنت خاموش ہوں اسے نہ سچا کہا جائے نہ جھوٹا بلکہ توقف کیا جائے۔ اس احتیاط کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے کئی مقامات پر اہلِ کتاب کی کتب میں تحریف و

تبدیلی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اپنے قصوں کو ان بگڑی ہوئی تفصیلات سے پاک رکھا ہے۔ مثال کے طور پر بعض انبیاء کے بارے میں منسوب لغزشوں کے بیان میں قرآن کا انداز ان کی عصمت و عظمت کی حفاظت کرتا ہے۔ طالب علم کے لیے یہ نکتہ بنیادی ہے کہ قصص القرآن کا اصل ماخذ قرآن مجید ہے، تفسیر اس کی شرح ہے، اور تاریخ و آثار اس کے معاون ہیں؛ اس ترتیب کو الٹ دینے سے قصے کا اصل مقصد یعنی ہدایت و عبرت پس منظر میں چلا جاتا ہے اور بحث غیر مستند جزئیات میں الجھ جاتی ہے۔

ماضی کے قصوں کے دینی و اخلاقی اثرات

ماضی کے قصے محض معلومات میں اضافہ نہیں کرتے بلکہ شخصیت سازی کا ذریعہ بھی ہیں۔ ان سے مؤمن یہ سیکھتا ہے کہ حق کی راہ میں مشکلات ہمیشہ آئی ہیں اور انبیاء جیسی عظیم ہستیوں کو بھی آزمایا گیا، لہٰذا اپنی زندگی کی مشکلات پر گھبرانا نہیں چاہیے۔ قصے ایمان کو تازگی دیتے ہیں کیونکہ ان میں اللہ کی قدرت، اس کی مدد اور اس کے وعدوں کی سچائی واقعات کی زبان میں سامنے آتی ہے۔ یہ قصے امید بھی پیدا کرتے ہیں کہ رات کتنی ہی لمبی ہو، انجام اہلِ حق کے لیے بہتر ہوتا ہے، اور خوف بھی پیدا کرتے ہیں کہ اللہ کی نافرمانی میں اصرار کرنے والوں کا انجام عبرت ناک ہوتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی یہ قصے داعی کے لیے نمونہ ہیں: انبیاء نے نرمی، حکمت، صبر اور مسلسل کوشش کے ساتھ دعوت دی، مخالفت پر بددعا اور انتقام کی بجائے اولاً اصلاح کی کوشش کی اور فیصلہ اللہ پر چھوڑا۔ اسی لیے قرآن نے نبی کریم ﷺ کو بھی ان قصوں کے ذریعے تسلی دی کہ آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا مگر انجام کار کامیابی حق کی ہوئی۔

خلاصہ و اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ ماضی کے قصے قرآن مجید کے ہدایتی نظام کا مرکزی حصہ ہیں۔ یہ گزشتہ انبیاء، قوموں اور افراد کے سچے واقعات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے عبرت، نصیحت، تثبیتِ قلب اور سنتِ الٰہی کی وضاحت کے لیے بیان فرمایا ہے۔ ان کا انداز تاریخی کتابوں سے مختلف ہے؛ یہ مقصدی انتخاب، بامقصد تکرار اور اخلاقی توجہ پر مبنی ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ ان قصوں کو صرف واقعات کے طور پر نہ پڑھے بلکہ ہر قصے سے اپنا سبق اخذ کرے: توحید پر استقامت، مصیبت میں صبر، نعمت پر شکر، گناہ پر فوری توبہ اور ظلم و تکبر

سے مکمل اجتناب۔ یہی وہ روشنی ہے جو اس سوال میں طلب کی گئی تھی اور یہی قصص القرآن کے پورے کورس کی بنیاد ہے، جس پر اگلے سوالات میں آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے قصے تفصیل سے زیرِ بحث آئیں گے۔

سوال نمبر 2: غیر انبیاء و مرسلین شخصیات میں سے مذموم شخصیات (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ قرآن مجید میں مذکور غیر انبیاء و مرسلین شخصیات میں سے مذموم شخصیات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔ (20)

تعارف

قرآن مجید میں انبیاء و مرسلین کے علاوہ بھی بہت سی شخصیات کا ذکر آیا ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایمان، تقویٰ اور قربانی کی روشن مثالیں ہیں، جیسے حضرت لقمان، اصحابِ کہف، حضرت مریم اور فرعون کی اہلیہ حضرت آسیہ، جبکہ کچھ شخصیات کفر، تکبر، مال کی محبت، اقتدار کے نشے اور حق کی مخالفت کی علامت بن کر آئی ہیں۔ ان دوسری جماعت کو مذموم شخصیات کہا جاتا ہے۔ قرآن نے ان کا ذکر ذاتی دشمنی کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ ان کے کردار اور انجام کو امت کے لیے عبرت بنانے کے لیے کیا ہے، تاکہ پڑھنے والا پہچان سکے کہ ہلاکت کی راہیں کیا ہیں اور ان سے بچا کیسے جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مذموم شخصیات میں سب سے پہلا اور سرِ فہرست کردار ابلیس ہے جو جنوں میں سے تھا، نبی نہیں تھا، اور اس کا ذکر آدم علیہ السلام کے قصے سے لے کر قرآن کے کئی مقامات پر آیا ہے۔ اس نوٹ میں ابلیس، نمرود، فرعون، ہامان، قارون، سامری، جالوت، ابولہب اور اس کی بیوی جیسی نمایاں مذموم شخصیات کا تعارف، ان کی مذموم صفات اور ان کے انجام کو قرآنی حوالوں کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

ابلیس: تکبر اور حسد کی جڑ

ابلیس کا جرم سجدے سے انکار، تکبر اور حسد تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب نے اطاعت کی مگر ابلیس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں، مجھے آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اسے مٹی سے۔ سورۃ الاعراف اور سورۃ ص میں یہ مکالمہ تفصیل سے آیا ہے۔ ابلیس نے اپنی غلطی پر ندامت کی بجائے

قیامت تک کی مہلت مانگی اور انسانوں کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی۔ قرآن نے واضح کیا کہ ابلیس کا زور صرف ان پر چلتا ہے جو خود اس کی پیروی اختیار کریں؛ اللہ کے مخلص بندوں پر اس کا کوئی غلبہ نہیں۔ ابلیس کے قصے سے سبق یہ ہے کہ عبادت و قربِ الٰہی کی طویل تاریخ بھی تکبر سے ضائع ہو جاتی ہے، نسب و اصل پر فخر عقل کو اندھا کر دیتا ہے، اور گناہ کے بعد توبہ کی بجائے ضد اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش انسان کو مزید بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔

نمرود: اقتدار کے نشے میں خدائی کا دعویٰ

نمرود اس ظالم بادشاہ کا کردار ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مناظرہ سورۃ البقرہ میں نقل ہوا ہے۔ اس نے رب ہونے کے زعم میں کہا کہ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا، تو کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ قرآن نے اس واقعے کو دلیل کی فتح اور باطل کی ذلت کی مثال بنایا ہے۔ نمرود کی مذموم صفت اقتدار کو حق سمجھ لینا تھی؛ اس کے نزدیک تخت و تاج ہی سچائی کا معیار تھا۔ اس کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی طاقت مل جانا اللہ کی رضا کی دلیل نہیں، اور عقل مند داعی دلیل کے میدان میں ظالم کو بھی اس کی سطح پر جواب دے کر لاجواب کر سکتا ہے۔ بعض مفسرین نے نمرود کے انجام کے بارے میں تاریخی روایات نقل کی ہیں، تاہم قرآن کا اصل زور اس کے دعوے کی بطلان اور اس کی ذلت پر ہے، اسی پر طالب علم کو توجہ رکھنی چاہیے۔

فرعون: استکبار، ظلم اور خدائی کے دعوے کی انتہا

فرعون قرآن کی سب سے تفصیل سے بیان ہونے والی مذموم شخصیت ہے۔ یہ لقب مصر کے بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون قرآن میں ظلم و استکبار کی مکمل تصویر ہے۔ اس نے بنی اسرائیل کو ذلیل غلام بنا رکھا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کرتا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا، قوم کو گروہوں میں بانٹ کر حکومت کرتا تھا اور آخر کار ”میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں“ تک کہہ دیا۔ سورۃ القصص، الاعراف، یونس اور النازعات میں اس کے مختلف پہلو آئے ہیں۔ اس نے دربار میں موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلایا، معجزات کو جادو کہا، جادوگروں کے ایمان لانے پر انہیں قتل و سولی کی دھمکی دی، اور بنی اسرائیل کے پیچھے لشکر لے کر نکلا یہاں تک کہ سمندر میں

غرق ہوا۔ غرق ہوتے وقت اس کا ایمان قبول نہ ہوا کیونکہ وہ اضطراری ایمان تھا جو عذاب دیکھنے کے بعد ظاہر ہوا تھا۔ فرعون کے کردار سے یہ ابدی سبق ملتا ہے کہ ظلم پر قائم حکومت کا انجام تباہی ہے، دربار کی چاپلوسی حق کو دبا نہیں سکتی، اور اللہ مظلوم کی مدد ضرور کرتا ہے خواہ دیر سے ہو۔

ہامان اور قارون: فرعونی نظام کے دو ستون

ہامان فرعون کا وزیر اور اس کے ظالمانہ نظام کا منتظم تھا۔ قرآن میں اس کا ذکر فرعون کے ساتھ آیا ہے کہ فرعون نے اسے حکم دیا کہ میرے لیے ایک بلند عمارت بناؤ تاکہ میں موسیٰ کے رب کو دیکھوں؛ یہ جملہ اس کے استہزا اور تکبر کو ظاہر کرتا ہے۔ ہامان اس بات کی علامت ہے کہ ظلم صرف حکمران نہیں کرتا بلکہ اس کے مشیر و منتظمین بھی اس جرم میں شریک ہوتے ہیں۔ دوسری طرف قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں سے تھا جسے اللہ نے اتنے خزانے دیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت پر بھاری تھیں۔ سورۃ القصص میں اس کا قصہ تفصیل سے ہے۔ اس کا جرم مال پر اترانا، اسے اپنی ذاتی قابلیت کا نتیجہ کہنا (’یہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے‘)، زکاۃ و حقوق سے انکار کرنا اور لوگوں کے سامنے شان و شوکت کے ساتھ نکلنا تھا۔ قوم کے اہلِ علم نے اسے نصیحت کی کہ اترانے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، مگر اس نے نہ سنی یہاں تک کہ وہ اور اس کا گھر زمین میں دھنسا دیے گئے۔ قارون کا سبق یہ ہے کہ مال فی نفسہ برا نہیں، مگر مال کو خودی و خود پرستی کا ذریعہ بنا لینا ہلاکت ہے۔

سامری اور جالوت

سامری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا وہ شخص تھا جس نے آپ کی غیر موجودگی (کوہِ طور پر مناجات کے دنوں) میں سونے کے زیورات سے بچھڑا تیار کیا اور قوم کو اس کی عبادت کی طرف مائل کر دیا۔ سورۃ طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر اس سے بازپرس کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے؛ اس نے اپنی صفائی میں غامض باتیں کیں مگر اس کی چال کھل گئی اور اسے قوم سے الگ رہنے کی سزا ملی۔ سامری فتنہ پردازی اور دین میں بدعت و شرک داخل کرنے کی علامت ہے، اور اس کے قصے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قوم کی جہالت و جذباتیت فتنے کے لیے زمین ہموار کرتی ہے۔ جالوت ایک اور مذموم کردار ہے جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں طالوت کے واقعے کے ساتھ آیا ہے۔ جالوت طاقتور و ظالم

لشکر کا سردار تھا جس سے مقابلے میں اکثر لوگ خوف زدہ تھے، مگر اللہ پر بھروسا رکھنے والوں نے کہا کہ کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آ گئی ہیں، اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ جالوت طاقت کے غرور اور دہشت کی سیاست کی علامت ہے جس کا انجام ایمان و صبر کے سامنے ذلت ہوتا ہے۔

ابو لہب اور اس کی بیوی

ابو لہب نبی کریم ﷺ کا چچا تھا مگر قرابت اسے حق قبول کرنے کے لیے کافی نہ ہو سکی؛ بلکہ وہ آپ ﷺ کی مخالفت میں سب سے آگے رہا۔ سورۃ المسد میں اس کی مذمت اس کی کنیت ہی کے ساتھ کی گئی کہ اس کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود ہلاک ہوا، اس کا مال اس کے کام آیا نہ اولاد۔ اس کی بیوی کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ لکڑیاں ڈھونے والی ہے اور اس کے گلے میں رسی ہو گی؛ مفسرین نے اس سے مراد اس کی چغل خوری، ایذاء رسانی اور کانٹے بچھانے جیسی حرکات بیان کی ہیں۔ یہ سورت اپنے اندر ایک معجزاتی پہلو بھی رکھتی ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ابو لہب کے کفر پر مرنے کی پیش گوئی تھی، اسی طرح پوری ہوئی۔ اس قصے کا سبق یہ ہے کہ حق کے مقابلے میں نسب و رشتہ کچھ کام نہیں آتا، نجات صرف ایمان و عمل سے ہے، اور رسول کی دشمنی میں حسد و ضد انسان کو دنیا و آخرت کی ذلت تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی ذیل میں سورۃ المدثر میں مذکور اس سردار کا کردار بھی پڑھا جا سکتا ہے جسے مفسرین کی اکثریت نے ولید بن مغیرہ سے متعلق سمجھا ہے، جس نے قرآن کو سن کر اسے انسان کا کلام اور جادو کہنے کی جسارت کی تھی۔

جدول 1: نمایاں مذموم شخصیات، ان کی مرکزی برائی اور انجام

شخصیت	مرکزی مذموم صفت	قرآنی حوالہ (اہم سورتیں)	انجام / سبق
ابلیس	تکبر، حسد، سجدے سے انکار	الاعراف، الحجر، ص	لعن و رجیم؛ ضد نے توبہ کا دروازہ بند کیا
نمرود	اقتدار کے نشے میں ربوبیت کا دعویٰ	البقرہ (آیت مناظرہ)	دلیل کے سامنے مبہوت و ذلیل ہوا
فرعون	ظلم، استکبار، خدائی کا دعویٰ	القصص، الاعراف، النازعات	لشکر سمیت سمندر میں غرق ہوا

فرعون کے ساتھ غرق و ہلاک ہوا	القصص، غافر	ظالم نظام کی وزارت و معاونت	ہامان
خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا	القصص	مال پر اترانا، خودی، بخل	قارون
قوم سے کاٹ دیا گیا؛ فتنے کی علامت	طٰہٰ، الاعراف	فتنہ پردازی، بچھڑے کی عبادت کی ترغیب	سامری
حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا	البقرہ	طاقت کا غرور و دہشت	جالوت
مال و اولاد کام نہ آئے؛ کفر پر ہلاکت	المسد	رسول کا دشمن، [illegible] ایذاء	ابولہب و زوجہ

مذموم شخصیات کے ذکر کی حکمتیں

ان شخصیات کا ذکر کئی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ انسان نیکی کی مثالیں دیکھنے کے ساتھ برائی کی مثالیں بھی پہچانے، کیونکہ برائی کو پہچاننا اس سے بچنے کی پہلی شرط ہے۔ دوم یہ کہ ان قصوں سے برائی کی اقسام واضح ہوتی ہیں: کہیں تکبر ہے، کہیں مال کی محبت، کہیں اقتدار کا نشہ، کہیں فتنہ پردازی، کہیں رسول کی دشمنی۔ سوم یہ کہ ان کے انجام سے اللہ کی سنت سمجھ آتی ہے کہ وہ ظالم کو مہلت دیتا ہے مگر چھوڑتا نہیں۔ چہارم یہ کہ یہ قصے ہر دور کے انسان کو آئینہ دکھاتے ہیں کہ کہیں فرعونیت، قارونیت یا ابلیسی تکبر اس کے اپنے اندر تو نہیں پنپ رہا۔ یہاں یہ علمی توازن بھی ضروری ہے کہ قرآن کا یہ بیان تاریخی کرداروں اور ان کے اعمال کا بیان ہے؛ اس سے اصول و اسباق اخذ کرنا طالب علم کا کام ہے، البتہ ان صفات کا کسی معاصر فرد یا گروہ پر قطعی اطلاق کرنا اور اس کی بنیاد پر حکم لگانا اس گائیڈ کا منصب نہیں، یہ اہلِ علم کے غور و فیصلے پر چھوڑا جاتا ہے۔

خلاصہ واختتام

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور مذموم شخصیات ہلاکت کی مختلف راہوں کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ ابلیس تکبر کی، نمرود اقتدار پرستی کی، فرعون ظلم واستکبار کی، ہامان ظالم کی معاونت کی، قارون مال پرستی کی، سامری فتنہ پردازی کی، جالوت طاقت کے غرور کی اور ابولہب حسد و دشمنیٔ حق کی علامت ہے۔ قرآن نے انہیں ذکر کر کے قاری کو دعوت دی ہے کہ وہ ان راہوں سے بچے اور انبیاء وصالحین کی راہ اختیار کرے۔ اگلے سوالات میں ہم اس کے برعکس صالح کرداروں کی مرکزی مثالوں یعنی حضرت آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے قصوں کا مطالعہ کریں گے۔

سوال نمبر 3: حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا، رجوع الی اللہ اور توبہ کی قبولیت (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ جنت سے آدم علیہ السلام کے نکلنے، رجوع الی اللہ اور توبہ قبول کیے جانے پر قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں تجزیہ تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

حضرت آدم علیہ السلام انسانیت کے باپ اور زمین پر اللہ کے پہلے خلیفہ و نبی ہیں۔ ان کا قصہ قرآن مجید کی کئی سورتوں میں بیان ہوا ہے جن میں سورۃ البقرہ، الاعراف، الحجر، الاسراء، الکہف، طہ اور ص نمایاں ہیں۔ اس قصے کا وہ حصہ جو اس سوال کا موضوع ہے تین مراحل پر مشتمل ہے: جنت میں سکونت کے بعد مخصوص درخت کے قریب جانے کی لغزش اور اس کے نتیجے میں جنت سے نکلنا، پھر اللہ کی طرف خلوص سے رجوع کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں ہدایت و خلافت کے وعدے کے ساتھ زمین پر بھیجنا۔ قرآن نے اس واقعے کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ اس میں انسانی فطرت، شیطان کی دشمنی، گناہ و ندامت اور رب کی بے پایاں رحمت سب پہلو بیک وقت روشن ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے تجزیے میں واقعے کی قرآنی ترتیب پیش کر کے اس کے اہم نکات کا جائزہ لیا جائے گا، اور جہاں مفسرین کی آراء میں تنوع ہے وہاں اسے علمی دیانت کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

پس منظر: خلافت کا اعلان، تعلیمِ اسماء اور سجدے کا واقعہ

جنت کے واقعے کو سمجھنے کے لیے اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا آپ اسے بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے؟ ارشاد ہوا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر اللہ نے آدم کو تمام ناموں (اشیاء کے علم) کی تعلیم دی اور فرشتوں کے سامنے پیش کر کے انسان کی علمی برتری واضح فرمائی۔ اس کے بعد فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تو سب نے اطاعت کی، مگر ابلیس نے تکبر سے انکار کر دیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ اس پس منظر سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ زمین پر آبادی اور خلافت اس واقعے سے پہلے ہی اللہ کے فیصلے میں تھی، لہٰذا جنت سے نکلنے کو محض ایک ”حادثہ“ سمجھنا درست نہیں بلکہ یہ اللہ کی بڑی حکمت و تدبیر کا حصہ تھا۔ دوسری یہ کہ انسان کی فضیلت اس کے علم اور اس کی اطاعت میں ہے، اور تکبر وہ پہلا گناہ ہے جو کائنات میں ظاہر ہوا۔

جنت میں سکونت اور درخت سے ممانعت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے کہ ہم نے کہا: اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ، لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ سورۃ الاعراف میں بھی اسی حکم کی تفصیل ہے اور ساتھ شیطان کے وسوسے کا ذکر ہے۔ یہ ممانعت ایک آزمائش تھی جس میں بے شمار نعمتوں کے درمیان صرف ایک درخت سے روکا گیا تھا، تاکہ انسان کی اطاعت و ضبطِ نفس کا امتحان ہو۔ مفسرین نے اس درخت کی تعیین میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں (مثلاً انگور، گندم یا انجیر کی طرف اشارے)، مگر قرآن نے اس کی تعیین نہیں فرمائی، اس لیے طالب علم کے لیے موزوں یہی ہے کہ وہ قرآن کی خاموشی کو اختیار کرے اور اصل نکتے یعنی حکم کی خلاف ورزی اور اس کے نتائج پر توجہ دے۔ یہاں یہ نکتہ بھی اہم ہے کہ خطاب دونوں میاں بیوی سے تھا اور ذمہ داری کا بیان بھی قرآن نے دونوں کے لیے مشترکہ رکھا ہے۔

شیطان کا وسوسہ اور لغزش کا وقوع

قرآن بتاتا ہے کہ شیطان نے دونوں کو وسوسہ ڈالا۔ سورۃ الاعراف میں اس کے وسوسے کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے کہا: تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ، اور اس نے قسمیں کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ یوں دھوکے سے انہیں اس طرف لے آیا کہ انہوں نے درخت کا پھل چکھ لیا تو ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہو گئیں اور وہ جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ سورۃ طٰہٰ میں اس واقعے کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ شیطان نے آدم سے کہا: کیا میں تمہیں ہمیشگی کا درخت اور نہ فنا ہونے والی بادشاہت بتاؤں؟ اور اسی سورت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔ اس لفظ ”نسیان“ کی بنیاد پر مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے اس لغزش کو بھول و خطا کی نوعیت میں رکھا ہے، جبکہ عصمتِ انبیاء کے اصول پر مفسرین نے اس بحث کو مختلف انداز سے حل کیا ہے؛ طالب علم کے لیے خلاصہ یہ ہے کہ یہ واقعہ نبوت کے منصب کے بعد سرانجام پانے والی دانستہ نافرمانی کی وہ صورت نہیں جو عوام کے گناہوں کی ہوتی ہے، بلکہ قرآن خود اسے بھول اور شیطانی دھوکے کے پس منظر میں بیان کرتا ہے۔ اور اصل توجہ اس پر ہے کہ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے کیا روش اختیار کی۔

ندائے الٰہی، ندامت اور رجوع الی اللہ

لغزش کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا: کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اس پکار پر حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا ردِ عمل اس قصے کا سب سے روشن پہلو ہے۔ انہوں نے نہ عذر تراشا، نہ الزام ایک دوسرے پر ڈالا، نہ شیطان کی طرف اشارہ کر کے خود کو بری کیا، بلکہ دونوں نے مل کر بارگاہِ الٰہی میں وہ دعا کی جو سورۃ الاعراف میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دی گئی، جس کا مفہوم یہ ہے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ یہ دعا توبہ کی روح کو سمیٹے ہوئے ہے: گناہ کا اعتراف، اپنی طرف اس کی نسبت، اللہ کی مغفرت و رحمت پر مکمل انحصار اور خسارے کا خوف۔ اسی رجوع کو سورۃ البقرہ میں یوں بیان کیا گیا کہ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے (یعنی اللہ نے ان کے دل میں توبہ کے کلمات القا

فرمائے) تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی؛ بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہاں "فتاب علیہ" کے الفاظ سے توبہ کی قبولیت کی صراحت قرآن نے خود کر دی ہے۔

جدول 1: قصۂ آدم کے مراحل، اہم سورتیں اور حاصل ہونے والا سبق

سبق	اہم سورتیں	مرحلہ
انسان کی فضیلت علم و اطاعت سے ہے	البقرہ	خلافت کا اعلان و تعلیمِ اسماء
تکبر پہلا گناہ اور لعنت کا سبب ہے	البقرہ، الاعراف، ص	سجدہ اور ابلیس کا انکار
آزمائش میں ایک ممانعت بھی کڑی ہو سکتی ہے	البقرہ، الاعراف	جنت میں سکونت و ممانعت
شیطان خیر خواہی کے لباس میں دھوکا دیتا ہے	الاعراف، طٰہٰ	وسوسہ و لغزش
اعتراف و رجوع سے رب کی رحمت متوجہ ہوتی ہے	الاعراف، البقرہ، طٰہٰ	ندامت، دعا اور توبہ کی قبولیت
زمین پر زندگی ہدایت کی پیروی میں کامیاب ہے	البقرہ، طٰہٰ	ہبوط و ہدایت کا وعدہ

جنت سے نکلنا (ہبوط) اور ہدایت کا وعدہ

توبہ قبول ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین پر اترنے کا حکم بھی دیا۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا: ہم نے کہا، تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہو گا۔ سورۃ طٰہٰ میں بھی اسی وعدے کی تفصیل ہے کہ جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ گمراہ ہو گا نہ بدبخت، اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کی زندگی تنگ ہو گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبوط کوئی محض سزا نہ تھی بلکہ خلافتِ ارضی کے اصل منصوبے کا آغاز تھا، جس کے ساتھ ہدایت بھیجنے کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو انبیاء و رسل کی بعثت کی صورت میں جاری رہا۔ سورۃ الاعراف نے اس خطاب کو تمام بنی آدم تک وسعت دے

کر ہر انسان کو شیطان کے فتنے سے خبر دار کیا ہے کہ جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا، وہ تمہیں بھی فتنے میں نہ ڈال دے۔ یوں یہ واقعہ صرف تاریخ نہیں رہتا بلکہ ہر دور کے انسان کے لیے زندگی کا دستور بن جاتا ہے۔

تجزیاتی نکات

اس واقعے کے تجزیے سے چند بڑے نکات نکلتے ہیں۔ پہلا نکتہ: خطا کے دو راستے ہیں، ابلیس کا راستہ کہ ضد، تکبر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی قسم کھائی جائے، اور آدم کا راستہ کہ اعتراف، ندامت اور رجوع اختیار کیا جائے؛ کامیابی ہمیشہ دوسرے راستے میں ہے۔ دوسرا نکتہ: توبہ کی حقیقت تین چیزوں کا مجموعہ ہے جس کی طرف علماء نے اسی واقعے سے رہنمائی لی ہے: گزشتہ پر ندامت، گناہ کو فوراً چھوڑ دینا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم۔ آدم علیہ السلام کی دعا میں یہ تینوں عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ تیسرا نکتہ: قرآن نے اس واقعے میں حضرت حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کے ساتھ شریکِ ندامت و دعا دکھایا ہے اور لغزش کا الزام اکیلے ان پر نہیں ڈالا؛ یہ قرآن کے متوازن بیان کی ایک نمایاں مثال ہے جسے مفسرین نے دیگر روایات کے مقابلے میں اجاگر کیا ہے۔ چوتھا نکتہ: توبہ کی قبولیت کے اعلان کے ساتھ نبوت و ہدایت کا وعدہ اس बात की दलील ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے اور بابِ توبہ ہر بندے کے لیے کھلا ہے۔ پانچواں نکتہ: انسانی زندگی کی اصل کشمکش شیطان سے ہے جو کھلا دشمن ہے؛ اس دشمن کو پہچاننا اور اس کے وسوسوں (جھوٹی خیر خواہی، ہمیشگی و دنیا کی لالچ) کو سمجھنا ہر مؤمن کی ضرورت ہے۔

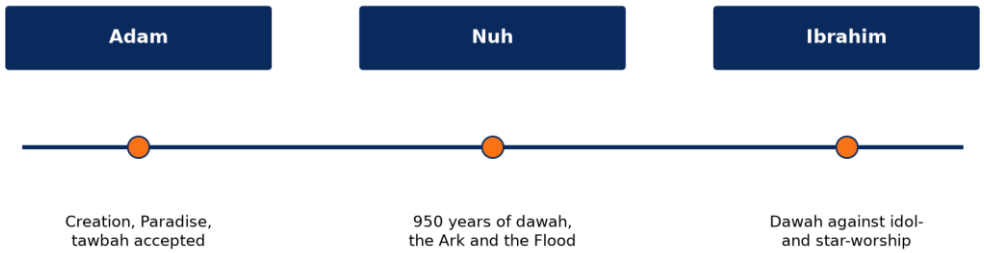

Figure 2: The three prophets studied in detail in Assignment No. 1 (Units 1-5)

شکل 2: مشق نمبر 1 میں تفصیل سے زیرِ مطالعہ تین انبیاء: آدم، نوح اور ابراہیم علیہم السلام

خلاصہ واختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے نکلنا، ان کی لغزش پر شیطان کے وسوسے، فوری ندامت، رب کی طرف رجوع اور توبہ کی قبولیت قرآن مجید نے البقرہ، الاعراف اور طٰہٰ سمیت کئی سورتوں میں پوری صراحت سے بیان کیا ہے۔ اس واقعے کا مرکز یہ اصول ہے کہ انسان سے خطا ہو سکتی ہے مگر اس کا مقام اس میں ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی طرح اعتراف و توبہ کرے، نہ کہ ابلیس کی طرح تکبر و ضد اختیار کرے۔ زمین پر ہبوط کے ساتھ ہدایت کا وعدہ انسانیت کے لیے امید کا چراغ ہے کہ جو ہدایت کی پیروی کرے گا وہ خوف و غم سے محفوظ رہے گا۔ یہی اس سوال کا تجزیاتی حاصل ہے اور یہی قصۂ آدم کی دائمی رہنمائی ہے۔

سوال نمبر 4: قصہ نوح علیہ السلام: قرآنی مندرجات اور حکمتیں (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآنی مندرجات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے قصۂ نوح میں موجود حکمتیں تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

حضرت نوح علیہ السلام اولو العزم رسولوں میں سے ہیں اور قرآن مجید میں ان کا قصہ سب سے زیادہ تکرار کے ساتھ بیان ہونے والے قصوں میں سے ہے۔ تقریباً انتیس سورتوں میں کہیں تفصیل سے اور کہیں اشارے کے طور پر ان کا ذکر آیا ہے؛ سورۃ الاعراف، ہود، المؤمنون، الشعراء، العنکبوت، القمر، الذاریات اور ایک مکمل سورت "نوح" ان کے قصے کے اہم ماخذ ہیں۔ آپ کی قوم بت پرستی میں مبتلا تھی اور سرداروں کی قیادت میں حق کی شدید مخالفت پر اتری ہوئی تھی۔ آپ نے صدیوں پر محیط طویل دعوت دی، مگر ایمان لانے والے تھوڑے ہی رہے، آخر کار اللہ کے حکم سے کشتی بنائی گئی، طوفان آیا، کفار غرق ہوئے اور اہلِ ایمان نجات پا کر ایک نئی انسانی آبادکاری کی بنیاد بنے۔ اس سوال کے پہلے حصے میں قرآنی مندرجات کا اختصار پیش کیا جاتا ہے اور دوسرے حصے میں اس قصے میں موجود حکمتوں و اسباق کو مرتب کیا جاتا ہے۔

قرآنی مندرجات کا اختصار: دعوت کا آغاز و انداز

قرآن کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی اور شرک سے روکا۔ سورۃ الاعراف میں ان کی دعوت کا خلاصہ یوں نقل ہوا ہے کہ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں؛ میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ قوم کے سرداروں نے جواباً آپ کو گمراہی کا طعنہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ میں کوئی گمراہی نہیں، میں تو جہانوں کے رب کا رسول ہوں، تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہوں۔ سورۂ نوح میں آپ نے اپنی دعوت کے اسالیب خود بیان فرمائے ہیں: میں نے اپنی قوم کو رات دن پکارا، میرے انہیں بلند آواز سے بھی بلایا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا، اور میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو، وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش بھیجے گا، مال و اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغات و نہریں بنائے گا۔ سورۃ العنکبوت میں ان کی مدتِ دعوت ساڑھے نو سو سال بیان ہوئی ہے، جو ان کی بے مثال استقامت کی دلیل ہے۔ قوم کا رویہ یہ رہا کہ انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں، کپڑے اوڑھ لیے، ضد پر اڑے رہے اور تکبر کیا، جیسا کہ سورۂ نوح میں خود نبی کی شکایت کے طور پر نقل ہوا ہے۔

قرآنی مندرجات: کشتی کا حکم، طوفان اور نجات

جب قوم کی اصلاح کی امید ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی خبر دے دی کہ ظالموں کے بارے میں اب سفارش نہ کرنا کیونکہ وہ غرق ہونے والے ہیں۔ سورۃ ہود میں اس مرحلے کی تفصیل ہے: کشتی بنتی رہی اور قوم کے سردار گزرتے ہوئے مذاق اڑاتے رہے؛ آپ نے جواب دیا کہ آج تم ہم پر ہنستے ہو، کل ہم تم پر ہنسیں گے۔ پھر حکم آیا کہ ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا، اپنے اہل (سوائے جن پر بات طے ہو چکی) اور ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر لو۔ تنور کے ابلنے کی علامت ظاہر ہوئی، آسمان سے پانی برسا اور زمین سے چشمے پھوٹے، کشتی پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی۔ اسی اثنا میں آپ کے اس بیٹے کا واقعہ پیش آیا جس نے الگ رہ کر پہاڑ پر پناہ لینے کا ارادہ کیا؛ باپ کی شفقت بھری پکار کے جواب میں اس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا، مگر موج حائل ہو گئی اور وہ غرق ہونے والوں میں شامل

ہو گیا۔ اس کے بعد اللہ نے آسمان کو تھمنے اور زمین کو پانی نگلنے کا حکم دیا، کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ ظالم قوم دور ہو۔ پھر نوح علیہ السلام کو سلامتی و برکت کے ساتھ اترنے کا حکم ہوا اور نئی نسل کی آبادکاری شروع ہوئی۔ سورۃ القمر میں بھی اس واقعے کو نشانی قرار دے کر سوال کیا گیا ہے کہ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

جدول 1: قصہ نوح کے اہم قرآنی ماخذ اور ان کا نمایاں پہلو

سورت	نمایاں مندرجات
الاعراف	دعوت کا خلاصہ، سرداروں کا اعتراض اور حضرت نوح کا جواب
ہود	کشتی کی تعمیر، بیٹے کا واقعہ، طوفان، جودی پر قیام اور دعا و بشارت
المؤمنون	دعوت، کشتی کا حکم اور غرق کا انجام
الشعراء	قوم کی تکذیب، دھمکیاں اور نجات یافتگان کا ذکر
العنکبوت	ساڑھے نو سو سال کی مدتِ دعوت اور طوفان کا ذکر
القمر	دعائے نوح، آسمان و زمین کے پانی اور کشتی بطور نشانی
نوح (مکمل سورت)	دعوت کے اسالیب، قوم کی سرکشی اور استغفار کی ترغیب

قصے میں موجود حکمتیں: صبر، استقامت اور دعوت کے اسالیب

اس قصے کی سب سے بڑی حکمت داعی کے لیے صبر و استقامت کا درس ہے۔ ساڑھے نو سو سال تک ایک ہی پیغام کو مختلف اسالیب سے پہنچانا، طعن و تکذیب کے باوجود مایوس نہ ہونا اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا، یہ سب کچھ ہر مبلغ و مصلح کے لیے نمونہ ہے۔ دوسری حکمت دعوت میں تنوعِ اسلوب ہے: اجتماعی خطاب بھی، انفرادی ملاقات بھی، اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی، ترغیب بھی (استغفار پر بارش، مال و اولاد اور باغات کی بشارت) اور ترہیب بھی (بڑے دن کے عذاب کا خوف)۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ داعی کی کامیابی تعداد سے

نہیں بلکہ حق پہنچا دینے سے ناپی جاتی ہے؛ ایمان لانے والے کم تھے مگر نوح علیہ السلام اپنی ذمہ داری میں کامیاب قرار پائے۔ چوتھی حکمت استغفار و معیشت کا تعلق ہے جو سورۂ نوح سے واضح ہوتا ہے کہ قوم کی اجتماعی توبہ اس کی دنیوی خوشحالی کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ پانچویں حکمت اسباب اختیار کرنے کی تعلیم ہے: وحی کی راہنمائی میں کشتی بنانا اس بات کی دلیل ہے کہ توکل اسباب چھوڑنے کا نام نہیں، بلکہ اللہ کے حکم پر بہترین تیاری کا نام ہے۔

مزید حکمتیں: رشتے، عدلِ الٰہی اور سنتِ الٰہی

قصۂ نوح کا ایک نہایت نازک اور اہم نکتہ ایمان کے رشتے کی برتری ہے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لیے عرض کیا کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ سچا ہے تو جواب ملا کہ وہ آپ کے اہل میں سے نہیں، اس کا عمل اچھا نہیں؛ پس مجھ سے وہ مانگو جس کا تمہیں علم نہیں۔ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ نجات کا تعلق نسب و خون سے نہیں بلکہ ایمان و عمل سے ہے، اور نبی کی شفقت بھی الٰہی عدل کے تابع ہے۔ دوسری طرف اللہ کا یہ قانون بھی سامنے آتا ہے کہ وہ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک رسول کے ذریعے اتمامِ حجت نہ ہو جائے؛ صدیوں کی مہلت اسی قانون کا اظہار ہے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ ظالم قوم کے لیے بد دعا دعوت کا آخری مرحلہ ہے جو مکمل مایوسی اور اتمامِ حجت کے بعد آتی ہے؛ سورۂ نوح کے آخر میں آپ کی دعا اسی پس منظر میں سمجھنی چاہیے۔ چوتھی حکمت کشتی کو "آیت" یعنی نشانی قرار دینا ہے تاکہ بعد کی نسلیں اس واقعے سے عبرت لیں۔ پانچویں حکمت نجات کے بعد شکر و برکت کی زندگی ہے، کہ اہلِ ایمان کو سلامتی کے ساتھ اتارا گیا اور انہیں آئندہ نسلوں کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان حکمتوں کا اطلاق آج کے طالب علم کی زندگی پر یہ ہے کہ وہ مشکل حالات میں ثابت قدم رہے، قرابت کی بجائے حق کو معیار بنائے اور اجتماعی اصلاح میں جلد بازی کی بجائے مسلسل محنت کو اپنائے۔

خلاصہ و اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ قصۂ نوح علیہ السلام قرآن مجید میں دعوت، صبر، کشتی و طوفان اور نجات و ہلاکت کے مکمل مراحل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کے مندرجات کا مرکز توحید کی دعوت، سرداروں کی تکذیب، ساڑھے نو سو سال کی استقامت، اتمامِ حجت، کشتی کی تعمیر، بیٹے کے واقعے میں ایمانی رشتے کی برتری اور جودی پر نجات یافتگان کا اترنا ہے۔ اس

میں موجود حکمتیں ہر دور کے لیے ہیں: داعی کے لیے صبر و تنوعِ اسلوب، مؤمن کے لیے اسباب کے ساتھ توکل، معاشرے کے لیے استغفار و اصلاح کا راستہ، اور ہر انسان کے لیے یہ تنبیہ کہ اللہ کی مہلت اس کی بے خبری نہیں بلکہ اس کا قانون ہے جس کے بعد پکڑ یقینی ہوتی ہے۔ یہی اس قصے کا وہ پیغام ہے جو قرآن نے "ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟" کے سوال کے ساتھ ہر قاری کے سامنے رکھا ہے۔

سوال نمبر 5: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرستوں اور ستارہ پرستوں کو دعوت (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت پرستوں اور ستارہ پرستوں کو جو دعوت دی اس پر تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید نے "خلیل اللہ"، "حنیف" اور امتِ مسلمہ کے لیے "اسوہ" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ کی قوم دو بڑی گمراہیوں میں مبتلا تھی: ایک بت پرستی، جس میں اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو معبود مانا جاتا تھا، اور دوسری ستارہ پرستی، جس میں چاند، سورج اور ستاروں کو خالق و مدبر سمجھ کر پوجا جاتا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق آپ کی نشو و نما عراق کے علاقے میں ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو بت گری و بت پرستی سے وابستہ تھا؛ قرآن نے آپ کے والد / سرپرست "آزر" کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ دعوت کا آغاز آپ کو اپنے گھر سے کرنا پڑا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض اعلان نہیں تھی بلکہ دلیل، مشاہدے، عملی اقدام اور مکالمے سے بھری ہوئی دعوت تھی۔ اس نوٹ میں پہلے بت پرستوں کو دی گئی دعوت (گھر کا مکالمہ، قوم سے مناظرہ اور بت توڑنے کا عملی اقدام) اور پھر ستارہ پرستوں سے استدلال (سورۃ الانعام کا مشہور واقعہ) کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے، اور آخر میں اس دعوت کے اصول و حکمتیں مرتب کی جاتی ہیں۔

دعوت کا نقطۂ آغاز: آزر سے مکالمہ

قرآن نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا آغاز گھر سے دکھایا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے کہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ سورۃ مریم میں اس مکالمے کی نرم و شفیق صورت نقل ہوئی ہے جس میں آپ بار بار "اے میرے ابا جان" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا میری پیروی کیجیے، میں آپ کو سیدھا راستہ دکھاؤں گا؛ شیطان کی عبادت نہ کیجیے، اور میں ڈرتا ہوں کہ رحمن کی طرف سے آپ کو عذاب نہ پہنچے۔ جواب میں سخت دھمکی ملی کہ اگر نہ رکے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور تم مجھ سے لمبی مدت کے لیے جدا ہو جاؤ۔ اس پر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلامتی کی دعا دی اور کہا کہ میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔ اس مکالمے سے دعوت کے دو اصول نکلتے ہیں: قریب ترین رشتوں سے آغاز اور تلخی کے جواب میں بھی شفقت و ادب کا دامن نہ چھوڑنا۔ یاد رہے کہ آزر کے بارے میں مفسرین میں یہ بحث بھی موجود ہے کہ وہ والد تھے یا چچا/سرپرست؛ قرآن نے "اب" کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی میں وسیع مفہوم میں بھی آتا ہے، طالب علم کے لیے اصل سبق رشتے کی شناخت سے زیادہ اس مکالمے کا دعوتی اسلوب ہے۔

بت پرست قوم کو دعوت: سوال و مناظرہ

قوم کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعوت کا عقلی اسلوب اختیار کیا۔ سورۃ الانبیاء میں ہے کہ آپ نے اپنے باپ اور قوم سے پوچھا: یہ مورتیں کیا ہیں جن کی تم پرستش میں جمے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں رہے۔ انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس حق لے کر آئے ہو یا کھیل کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں و زمین کا رب ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اسی بات کے گواہوں میں سے ہوں۔ سورۃ الشعراء میں بھی یہی مکالمہ نقل ہوا ہے جہاں آپ نے پوچھا: جب تم انہیں پکارتے ہو تو کیا یہ سنتے ہیں، یا تمہیں نفع و نقصان پہنچاتے ہیں؟ اور قوم کا جواب صرف

تقلید پر ختم ہوا کہ ہم نے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا۔ ان مکالموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیمی دعوت نے بت پرستی کی بنیاد یعنی "آبائی تقلید" کو ہدف بنایا اور ہر دعوے پر دلیل مانگی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ داعی تبلیغ میں طنز و تہکم کی بجائے سوال سے فکر کو جھنجھوڑتا ہے، تاکہ مخاطب خود اپنے عقیدے کی کمزوری پر غور کرے۔

عملی اقدام: بت توڑنا اور قوم کا محاکمہ

جب زبانی دعوت کے باوجود قوم نہ سمجھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تاریخی عملی اقدام کیا۔ سورۃ الانبیاء کی روایت کے مطابق قوم کے میلے / عید پر جانے کے موقع پر آپ پیچھے رہ گئے، بت خانے میں داخل ہوئے، بتوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم کھاتے کیوں نہیں، بولتے کیوں نہیں، پھر بڑے بت کے سوا سب کو توڑ ڈالا اور کلہاڑا بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا (بعض بیانات میں اسے اسی کی طرف منسوب کرنے کا اشارہ ملتا ہے)۔ قوم واپس آئی تو بوچھ گچھ ہوئی؛ الزام نوجوان ابراہیم پر آیا۔ آپ نے فرمایا: بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے، اگر یہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔ اس جواب نے قوم کو خود اپنے ضمیر کی طرف لوٹا دیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان؟ اف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ دلیل سے لاجواب ہو کر قوم نے قوت کا راستہ لیا اور کہا کہ اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ چنانچہ آگ تیار کی گئی مگر اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، اور یوں سب سے بڑا معجزہ ظاہر ہوا۔ سورۃ الصافات میں بھی اسی واقعے کا اختصار سے ذکر اور قوم کی سازش کی ناکامی بیان ہوئی ہے۔ اس واقعے کا دعوتی سبق یہ ہے کہ بعض اوقات عملی مظاہرہ زبان سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، مگر اس کے لیے داعی کو انجام کی پوری ہمت و یقین درکار ہوتا ہے۔

ستارہ پرستوں کو دعوت: سورۃ الانعام کا استدلال

قوم کا ایک طبقہ ستاروں، چاند اور سورج کی پرستش کرتا تھا۔ سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ مشہور استدلال نقل ہوا ہے جس میں آپ نے غور و فکر اور مشاہدے کو دعوت کا ذریعہ بنایا۔ فرمایا گیا کہ جب رات نے انہیں ڈھانپ لیا تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے؛ مگر جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے؛ جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر سورج کو سب سے

بڑا اور روشن دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے؛ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اعلان کر دیا: اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں و زمین کو پیدا کیا، یکسو ہو کر، اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ مفسرین نے اس واقعے کی نوعیت پر بحث کی ہے: جمہور کے نزدیک یہ حقیقی تلاشِ حق کی ڈائری نہیں بلکہ ایک مناظرانہ و تدریجی استدلال تھا جس میں آپ مخاطب کے مسلمات ہی سے چل کر انہیں باطل کے کنارے تک لے گئے، کیونکہ انبیاء نبوت سے پہلے بھی شرک سے محفوظ ہوتے ہیں؛ بعض نے اسے آپ کے بچپن / جوانی کے غور و فکر کا مرحلہ کہا ہے۔ دونوں صورتوں میں دعوتی نکتہ مشترک ہے کہ غروب و زوال والی مخلوق معبود نہیں ہو سکتی، معبود وہی ہے جو ہمیشہ قائم، سب کا خالق اور ہر تبدیلی سے بالا ہو۔

جدول ۱: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت: مخاطب، اندازِ دلیل اور نتیجہ

مخاطب	دعوت کا انداز	نتیجہ / ظاہر ہونے والا اصول
آزر (گھر)	شفقت بھرا مکالمہ، علم کی بنیاد پر پیروی کی دعوت	دھمکی کے جواب میں بھی سلام و دعائے مغفرت؛ ادبِ دعوت
بت پرست قوم	عقلی سوالات، تقلید پر تنقید، نفع و نقصان کی دلیل	قوم دلیل میں لاجواب مگر تقلید پر اڑی رہی
بت پرست قوم (عملی مرحلہ)	بت توڑ کر بڑے بت کی طرف نسبت اور محاکمہ	قوم کا ضمیر بیدار ہوا مگر قوت سے آگ کا اقدام کیا گیا؛ آگ سلامتی بن گئی
ستارہ پرست	مشاہدہ و تدریج: ستارہ، چاند، سورج کے غروب سے استدلال	شرک سے براءت اور حنیفیت کا اعلان

دعوتِ ابراہیمی کے اصول و حکمتیں

اس ساری دعوت سے چند مستقل اصول نکلتے ہیں جو آج کے طالب علم و داعی کے لیے رہنما ہیں۔ پہلا اصول: دعوت کا آغاز اپنے گھر و قریبی ماحول سے ہوتا ہے، اور وہاں سب سے زیادہ صبر و شفقت درکار ہوتی ہے۔ دوسرا اصول: مخاطب کی سطح کے مطابق دلیل بدلتی ہے؛ بت پرست سے اس کے بت کی بے بسی پر سوال، ستارہ پرست سے کائناتی مشاہدے پر استدلال اور بادشاہ (نمرود) سے سورج کے طلوع و غروب کی دلیل، یہ سب "مخاطب شناسی" کی بہترین مثال ہے۔ تیسرا اصول: تقلیدِ آبائی کا جواب نقل سے نہیں عقل و وحی سے دیا جاتا ہے، لیکن اس میں توہین و تلخی کی بجائے سوال و مکالمہ برتا جاتا ہے۔ چوتھا اصول: حق پر تنہا کھڑا ہونا پڑے تو بھی کھڑے رہنا، یہاں تک کہ آگ بھی اس عزم کو نہیں جلا سکتی۔ پانچواں اصول: دعوت کا انجام ہجرت بھی ہو سکتی ہے؛ جب زمین تنگ ہو جائے تو داعی اپنے رب کی طرف ہجرت کر کے نئے میدان میں کام کرتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے علیحدگی کے بعد کیا۔ چھٹا اصول: دعوت کی بنیاد ہمیشہ توحیدِ خالص رہی ہے، جسے قرآن نے "ملتِ ابراہیم حنیفاً" کہہ کر نبی کریم ﷺ اور امت کے لیے بھی اسوہ قرار دیا ہے۔

خلاصہ و اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت پرستوں کو اپنے گھر کے مکالمے، قوم سے عقلی مناظرے اور بت توڑنے کے عملی اقدام سے، اور ستارہ پرستوں کو ستارے، چاند اور سورج کے غروب پر مبنی تدریجی استدلال سے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔ ہر مرحلے پر دلیل مخاطب کے مزاج کے مطابق تھی اور انجام تک آپ نرمی، ثابت قدمی اور اللہ پر توکل کی تصویر بنے رہے۔ یہ دعوت اس اصول کی سب سے بڑی تاریخی مثال ہے کہ حق دلیل سے غالب آتا ہے، قوت سے نہیں؛ قوت باطل کا آخری حربہ ہوتی ہے اور اللہ اسے بھی اپنے خلیل کے لیے سلامتی میں بدل دیتا ہے۔ یہی وہ نوٹ ہے جو اس سوال میں مطلوب تھا اور یہی مشق نمبر 1 کے مطالعے کا اختتامی و جامع سبق ہے۔